DOI: https://doi.org/10.52541/fn.v62i2.5753

نام کتاب	:	**سلاطینِ ہند کی دینی و مذہبی مساعی**
مؤلف	:	محمد شمیم اختر قاسمی
ناشر	:	قرطاس کراچی ۔
سن طباعت	:	۲۰۲۴ء
صفحات	:	۱۶۲
تبصرہ نگار	:	محمد سہیل شفیق ۞

ہندوستان کی قدیم تاریخ کے بارے میں حتمی طور پر کچھ کہنا مشکل ہے لیکن اس میں کوئی دورائے نہیں ہو سکتیں کہ ہندوستان میں مسلمانوں کے آمد سے تاریخ ہند کے ایک نئے باب کا آغاز ہوا۔ مسلمان خاندانوں کے متعدد سلاطین نے یہاں کم و بیش ایک ہزار سال تک رواداری سے حکومت کی اور بلا تفریق مذہب و ملت سرزمینِ ہندوستان کو نفع پہنچایا۔

ہندوستان میں مسلمان حکم رانوں کی تاریخ کے مختلف پہلوؤں کے حوالے سے بہت کچھ لکھا جاچکا ہے، بالخصوص دارالمصنفین اعظم گڑھ سے ہندوستان کی اسلامی تاریخ پر متعدد کتابیں شائع ہو چکی ہیں جن میں علامہ سید سلیمان ندوی کی کتابیں: **عرب و ہند کے تعلقات، ہندوؤں کی تعلیم مسلمانوں کے عہد میں**؛ سید صباح الدین عبدالرحمٰن کی کتابیں: **بزمِ تیموریہ** (تین جلدیں)، **بزمِ مملوکیہ**، **بزمِ صوفیہ**، **ہندوستان کے مسلمان حکم رانوں کے عہد کے تمدنی جلوے**، **ہندوستان کے عہدِ وسطیٰ کی ایک جھلک**، **ہندوستان کے مسلمان حکم رانوں کے عہد کے تمدنی کارنامے**، **ہندوستان کے سلاطین علماء و مشائخ کے تعلقات پر ایک نظر**، **ہندوستان کے مسلمان حکم رانوں کی مذہبی رواداری** (تین جلدیں)، **عہدِ سلاطین میں ہندوستان سے محبت و شیفتگی کے جذبات** اور اس موضوع پر ماہ نامہ **معارف** (اعظم گڑھ) میں شائع ہونے والے متعدد مقالات بالخصوص قابلِ ذکر ہیں۔

سید سلیمان ندوی اور ان کے رفقا نے تاریخ ہند کے منصفانہ مطالعے کے جس سلسلے کا آغاز کیا تھا، محمد شمیم اختر قاسمی کی پیشِ نظر کتاب **سلاطینِ ہند کی دینی مذہبی مساعی** کو اسی سلسلے کی ایک کڑی کہا جاسکتا ہے۔ فاضل

۞ ایسوسی ایٹ پروفیسر/ چیئرمین، شعبہ اسلامی تاریخ، یونی ورسٹی آف کراچی، کراچی۔(msshafiq@uok.edu.pk)

مصنف نے پیشِ نظر کتاب کو ابواب و فصول میں تقسیم کرنے کے بجائے سلاطینِ ہند کے اسما کے لحاظ سے عنوانات میں تقسیم کیا ہے۔ ان عنوانات میں گہری معنویت پائی جاتی ہے بلکہ ہر عنوان سے، فرماں رواؤں کے مزاج اور ان کے دور کی خصوصیات کا بہ خوبی اندازہ ہو جاتا ہے، مثلاً: عہدِ قطبی کے دینی برکات، شمس الدین التمش کی خدا ترسی، رضیہ سلطانہ کا حسنِ تدبر، پاک طینت ناصر الدین محمود اور اسی طرح دیگر عنوانات۔

فاضل مصنف نے سلاطینِ ہند کی ذاتی زندگی اور اِن کے اُن افعال و کردار کا جائزہ لیا ہے جس کے نتیجے میں انھیں یہاں اپنے قدم جمانے، سماجی لین دین، تعلیم و تدریس، دین و مذہب اور اخلاق و محبت سے دل چسپی اور اس پر عمل آوری کی ایسی فضا قائم کرنے کا موقع ملا جسے دیکھ کر دوسرے لوگ بھی متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے۔ اسی طرح یہ بات بھی واضح ہو جاتی ہے کہ سلاطینِ ہند کے رویے، علوم و فنون سے وابستگی اور دل چسپی، اہلِ علم کی قدر دانی اور علما و مشائخ سے محبت و عقیدت ہی کی بنا پر بڑی حد تک اشاعتِ اسلام کی راہ ہموار ہوئی۔

ہندوستان میں مسلم حکومت کا اصل بانی اور معمار امیر ناصر سبکتگین (۹۴۲ء۔۹۹۷ء) ہی تھا، لیکن اسے تذکرہ نگاروں نے تاریخ میں اس حیثیت سے جگہ نہیں دی۔ امیر سبکتگین کا سب سے بڑا کام تو یہ تھا کہ اس نے ہندوستان کی سرحد پر غزنی میں ایک ایسا اہم عسکری اور حکومتی مرکز قائم کیا جس نے برصغیر کی فتح کے لیے ایک Base (فوجی صدر کیمپ) کا کام دیا۔ سبکتگین اور محمود غزنوی (۹۹۷ء۔۱۰۳۰ء) نے ہندوستان پر متعدد حملے کیے، جس کے باعث انھیں مستقل نشانہ تنقید بنایا جاتا ہے، لیکن اس کی وجوہات پر منصفانہ نظر ڈالی جائے تو بہر صورت یہ ماننا پڑے گا کہ انھوں نے یہاں حملہ کرنے کی کبھی پیش قدمی نہیں کی۔

غزنوی خاندان کی کم و بیش دو سو سال حکومت رہی۔ محمود کے علاوہ دوسرے فرماں رواؤں نے بھی سلطنت کو وسعت دینے کی اپنی حد تک جدوجہد کی اور اس کی تعمیر و ترقی میں سرگرم رہے۔ سلاطین غزنویہ کی کوشش تھی کہ ان کی ماتحتی میں جو غیر مسلم عوام ہیں، ان کے ساتھ کسی قسم کا بھید بھاؤ نہ رکھا جائے، نیز ان کے مذہبی معتقدات پر ضرب نہ لگائی جائے اور نہ انھیں برا بھلا کہا جائے۔ وہ دلوں کو توڑنے کے بجائے جوڑنے کے اصول پر کاربند رہے۔

شہاب الدین غوری (۱۱۴۹ء۔ ۱۲۰۶ء) سے ہندوستان میں مسلمانوں کی آمد اور قدم جمانے کا ایک اور دور شروع ہوتا ہے۔ غوری نے پرتھوی راج اور کھانڈے رائے کو شکست دینے کے بعد اپنے غلام قطب الدین ایبک (۱۱۰۵ء۔ ۱۲۱۰ء) کو شمالی ہند کا وائسرائے مقرر کیا۔ اس فتح نے ہندوستان میں مسلم حکومت کی بنیاد رکھ دی۔

فاضل مصنف کا یہ کہنا درست ہے کہ کسی علاقے کی تسخیر کا بنیادی مقصد اشاعتِ اسلام نہ بھی ہو، لیکن ایک سلطان کے لیے کسی بت پرست ملک کو مسلم حکومت یا اسلامی مقبوضات میں شامل کر لینا ہی اشاعتِ اسلام کا بڑا ذریعہ ہے۔ پھر سلطنت میں شریعتِ اسلامیہ کا نفاذ، علما فضلا کی سرپرستی، مشائخ و صوفیاے کرام پر نوازشیں، مساجد و مدارس کے قیامِ استحکام وغیرہ پر خاص توجہ دینا، یہ سب دینی خدمات کے ہی مظاہر ہیں۔ یہ الگ بات ہے کہ اس کی ذاتی زندگی سے یا پھر سلطنت سے شریعتِ اسلامیہ کی مکمل ترجمانی نہیں ہوتی، مگر جہاں کہیں بھی ایسے مواقع ملتے جن سے براہِ راست تسخیرِ قلب کیا جائے تو سلطان اس سے بھی پیچھے نہیں ہٹتا۔ اس کی ایک اہم مثال کھوکھروں کا قبولِ اسلام ہے، جو ایک نہایت سرکش قوم تھی اور برائی و بے حیائی اس کی گھٹی میں پل رہی تھی، جس کی ایک بڑی تعداد کو سلطان (شہاب الدین غوری) نے اپنی حکمتِ عملی سے داخلِ اسلام کر لیا۔

عہدِ قطبی کی برکات کے عنوان سے فاضل مصنف لکھتے ہیں:

> قطب الدین ایبک (۱۱۵۰ء-۱۲۱۰ء) کے ذریعے سلطنتِ دہلی کے قیام سے ایک طرف مسلمانوں کی دینی، مذہبی، سماجی، سیاسی حیثیت کو استحکام و دوام حاصل ہوا تو دوسری طرف یہاں کے ہنود کے لیے بھی بہت سے فوائد کے دروازے وا ہوئے، کیونکہ مسلمانوں کے روزمرہ کے عادات و اطوار، سماجی مساوات کے اصول و ضوابط نے انھیں بہت زیادہ متاثر کیا اور ان کے اندر بھی داعیہ پیدا ہوا کہ صدیوں پرانی بھید بھائو کی زنجیروں کو گلے سے اتار پھینکا جائے۔

خلجی خاندان کا پہلا بادشاہ جلال الدین خلجی (۱۲۲۰ء-۱۲۹۶ء) مذہب سے بے حد لگاؤ رکھتا تھا اور احترامِ شریعت کا بڑا پابند تھا۔ صوفیہ میں حضرت نظام الدین اولیاؒ سے عقیدت رکھتا تھا۔ اس کا عہد بڑے بڑے علما و فضلا اور دانش وروں کی کہکشاں تھا۔ اس نے نہ صرف منگولوں سے جہاد کیا بلکہ اب تک جو ملک کا حصہ اسلامی قلم رو میں شامل نہیں ہوا تھا، اسے بھی جنگ کر کے شامل کر لیا۔ دکن کی تسخیر اس کا اہم کارنامہ شمار کیا جاتا ہے۔ جلال الدین ہندو مسلم اتحاد کا بھی بڑا داعی تھا۔ اس کے عہد میں غیر مسلم بھی بڑی آسائش کے ساتھ اور بے خوف و خطر زندگی بسر کرتے تھے۔ ہر ایک کو اپنے مذہب پر عمل کرنے کی آزادی تھی۔

سلطنت خلجی کے زوال کے بعد ملک غیاث الدین تغلق (۱۳۲۵ء) تخت نشین ہوا۔ غیاث الدین بھی مذہبی رجحان رکھتا تھا۔ نمازوں کی پابندی کرتا تھا۔ خود اس نے مسکرات سے پرہیز کیا اور عوام کو بھی سختی سے روکا۔ اس نے ہمیشہ خود کو ان لوگوں سے دور رکھا جن کے افکار و خیالات عقائد میں فساد پیدا کرتے ہیں۔ اسے علما، مشائخ اور صوفیہ سے بھی بڑی عقیدت تھی۔ اس نے حکومت کا انتظام و انصرام اس خوش اسلوبی سے انجام دیا کہ اسے ہندو

مسلم سب ہی محبوب رکھتے تھے۔ یہاں تک کہ اس نے اپنے بھائی کی شادی ایک ہندو راج کماری سے محض اس بنا پر کر دی کہ اس طرح کرنے سے ہندو مسلم تعلقات خوش گوار ہوں گے۔

محمد شاہ تغلق (۱۲۹۰ء۔۱۳۵۱ء) خود بھی ایک بڑا عالم تھا اور متعدد علوم میں دست گاہ رکھتا تھا۔ ۷۲۵ھ / ۱۳۲۵ء میں تختِ دہلی پر بیٹھا تو علمی شغف کی بنا پر اس نے اپنی سلطنت میں عوام کی تعلیم پر بھی خاصی توجہ دی۔ اس نے متعدد مدارس قائم کیے اور ان میں باصلاحیت علما و فقہا کو درس و تدریس کے لیے مامور کیا جنھیں سرکاری خزانے سے وظیفہ ملتا تھا۔ جہاں کبھی کوئی جھنڈا پہنچا تھا نہ جہاں کبھی قرآنی آیت پڑھی گئی تھی، محمد شاہ تغلق نے وہاں بھی مسجدیں آباد کیں۔ علاوہ ازیں بیماروں کے لیے شفا خانے، محتاجوں کے لیے محتاج خانے اور مسافروں کے لیے مسافر خانے بنوائے۔ محمد شاہ تغلق نے اپنی طویل مدتِ حکومت میں ہندو مسلم اتحاد پر زور دیا۔ ڈاکٹر تاراچند نے اس کی خوبیوں پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھا ہے کہ ”وہ اپنے مذہب کی پوری پیروی کرتا، وہ متعصب ہرگز نہ تھا۔ ہندوؤں کے ساتھ اس نے رواداری کا سلوک کیا۔ اس نے اس کی معاشرتی زندگی کی اصلاح کرنے کی کوشش کی، اور رسمِ ستی کو موقوف کرنا چاہا۔ اس نے ہندوؤں کو بڑے بڑے عہدوں سے نوازا۔“

اہم بات یہ ہے کہ سلطان نے دہلی کے بجائے دیوگیر کو پایۂ تخت بنانے کے لیے دہلی کے عوام کو وہاں بھیجا، اس کے پس پردہ خاموش تبلیغی جدوجہد تھی۔ وہ جانتا تھا کہ جن علاقوں میں مسلمان نہ ہوں گے وہاں دین کی اشاعت نہ ہو سکے گی۔ چناں چہ اس نے فیصلہ کیا کہ علما و مشائخ زیادہ سے زیادہ دکن پہنچیں اور وہاں رہ کر اسلام کی تبلیغ کریں۔

تغلق خاندان کے بعد لودھی خاندان کی حکومت قائم ہوئی۔ جس کا پہلا بادشاہ بہلول لودھی (م۱۴۸۹ء) ہوا۔ اس نے مسلم سلطنت کو ایسے وقت میں سہارا دیا جب کہ وہ اپنے زوال کے دہانے پر تھی۔ اس نے بڑی کوشش کی کہ دہلی سلطنت کی عظمتِ رفتہ کو جس طرح سے بھی ہو بحال کیا جائے۔ اس میں وہ کافی حد تک کام یاب ہوا۔ وہ خود بھی دین دار تھا، اس لیے کوشش کرتا تھا کہ حکومت میں کوئی کام خلاف شرع نہ ہونے پائے۔ یہی معاملہ سکندر لودھی (م۱۵۱۷ء) کا بھی تھا۔

اسی طرح مغل بادشاہوں میں ظہیر الدین بابر (۱۴۸۳ء۔۱۵۳۰ء)، ہمایوں (۱۵۰۸ء۔۱۵۵۶ء) اور شاہ جہاں (۱۵۹۲ء۔۱۶۶۶ء) بھی دین پرور بادشاہ تھے۔ جلال الدین اکبر (۱۵۴۲ء۔۱۶۰۵ء) اگرچہ متضاد شخصیت کا حامل تھا لیکن اس کے عہد میں اسلامی علوم وفنون کی ترقی اور اس کی نشر و اشاعت کے تعلق سے جو وقیع کام ہوا وہ بھی تاریخ ہند کا اہم باب ہے۔ اس نے فتح پور سیکری اور اس کے ارد گرد کے علاقوں میں بلا تفریق مذہب وملت رعایا کی

خوش حالی اور اس کی تعلیم و تربیت کے لیے مستحسن اقدامات کیے گئے جس کے اثرات پورے ملک پر پڑے اور ہر جگہ تعلیمی و رفاہی ادارے قائم ہونے لگے، امرا اور عوام بھی اس جانب متوجہ ہوئے۔

مغل بادشاہ جہان (۱۵۹۲ء۔۱۶۶۶ء) علما و فضلا کی بڑی قدر کرتا تھا اور اپنا زیادہ وقت ان کی صحبت میں گزارتا تھا۔ ملک و بیرونِ ملک کے منتخب اور نمائندہ علماے دین کو اس نے اپنے دربار سے جوڑ لیا تھا۔ فروغِ تعلیم پر اس کی بڑی توجہ تھی جس کے لیے بڑی بڑی تعلیم گاہیں تعمیر کیں۔ بادشاہ کی کوششوں کو دیکھ کر امرا اور عام لوگوں نے بھی جگہ جگہ دارالعلم قائم کیے۔ طبی علوم کو بھی فروغ دیا گیا۔ شاہ جہاں ایک منصف مزاج بادشاہ تھا۔ جہاں کسی نے اپنی حدود سے تجاوز کیا، وہاں اس نے سزا دینے سے بھی گریز نہیں کیا۔ آر پی ترپاٹھی لکھتے ہیں:

> شاہ جہاں کے زمانے میں بھی ہندو اعلیٰ عہدوں پر مامور تھے اور ان کو عزت و احترام کی نظر سے دیکھا جاتا تھا۔ اگر شاہ جہاں نے ہندوؤں کے دل میں اعتماد پیدا نہ کیا ہوتا تو ہندو شہزادے اکٹھے ہو کر سلطنت کے دفاع اور شاہی وقار کی حفاظت کے لیے سینہ سپر نہ ہوتے۔ اس کے زمانے میں بھی یہ بات ممکن تھی کہ ولی عہدِ سلطنت مختلف مذاہب کا مطالعہ و موازنہ کرکے اور بغیر کسی قسم کی مداخلت کے مذہبی امور میں آزاد خیالانہ جذبات کا اظہار کر سکے۔

آخری مؤثر مغل باشاہ اورنگ زیب عالم گیر تو کہلاتا ہی حامیِ اسلام تھا۔ اورنگ زیب عالم گیر صرف اس لحاظ سے ہی بڑا نہیں کہ اس کے تصرف میں افغان سمیت پورا ہندوستان تھا، بلکہ اس اعتبار سے بھی ہے کہ وہ اخلاق و عادات، محبت، دیانت، انصاف پسندی اور حکومت کی ذمے داری اور رعایا پروری میں بھی بے نظیر تھا اور تقویٰ و پرہیز گاری کا ایسا عادی تھا کہ اسلام کے ارکان خمسہ پر سختی سے عمل کرتا تھا، وہ کبھی مسکرات و منہیات کے قریب نہیں گیا۔ برائیوں سے وہ ہمیشہ مجتنب رہا، سرکاری آمدنی کو وہ اپنے ذاتی خرچ پر استعمال نہیں کرتا، کیوں کہ اس کی نظر میں یہ رعایا کا مال ہے۔

البتہ اورنگ زیب پر یہ الزام عائد کیا جاتا ہے کہ اس نے بہت سے مندروں کو منہدم اور بتوں کو پاش پاش کیا۔ اس کے اصل اسباب و محرکات پر منصفانہ نظر ڈالنے کی ضرورت ہے۔ اس نے اگر بعض مندروں کو مسمار کیا تو مسجدوں کو بھی نہیں چھوڑا۔ جہاں اور جس جگہ کو فتنہ ساز لوگوں نے اڈا بنالیا تھا اور جو ملک، سماج اور معاشرہ کی سالمیت کے لیے خطرہ بنے ہوئے تھے وہ ان تمام جگہوں کا نام و نشان مٹا دینے کا روادار تھا۔ بنارس کے ایک مندر کے توڑنے کا واقعہ بڑے شدو مد کے ساتھ پیش کیا جاتا ہے۔ اس مندر کو اس لیے توڑا گیا کہ یہ عیاشی اور زناکاری کی آماج گاہ بنا ہوا تھا۔ اس نے اس مندر کے ساتھ جو کچھ کیا، اس میں ہندو برادری کی رضامندی بھی شامل تھی۔ لہٰذا اس

حقیقت سے چشم پوشی نہیں کرنی چاہیے کہ اورنگ زیب نے جتنے مندر توڑے، اس سے کہیں زیادہ مندروں کی آباد کاری اور دیکھ بھال کے لیے عطیات واوقاف مقرر کیے، جس کی تاریخی شہادت اظہر من الشمس ہے۔

ہندوستانی معاشرے پر اسلام کے اثرات کا جہاں تک تعلق ہے فاضل مصنف نے درست تجزیہ کیا ہے:

ہندوستان میں اسلام نے اپنا اثر تو ضرور دکھایا اور اس کی صاف ستھری تعلیمات نے غیر مسلموں کے دل میں بھی جگہ بنائی، مگر ان کی مؤثر تعلیم وتربیت کے فقدان کے باعث یہ لوگ اسلام قبول کرنے سے پہلے اپنے سماج ومعاشرہ میں جس انداز سے زندگی بسر کر رہے تھے، اسلام میں داخل ہونے کے بعد بھی ان کے اندر کوئی بڑا تغیر نہیں ہوا، جس کا منفی اثر یہ ہوا کہ جب یہ لوگ مسلمان ہو کر مسلم معاشرے میں داخل ہوئے اور ان کے ساتھ رہنے لگے تو دونوں گروہوں نے ایک دوسرے کو متاثر کیا۔ جس کی واضح مثال یہ ہے کہ آج مسلمانوں میں بہت سی ایسی چیزیں پائی جاتی ہیں جو ہندوانہ اور مشرکانہ ہیں اور جن کا شریعت سے کوئی تعلق نہیں۔ ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ مسلمان اپنا سب کچھ غیروں کو دیتے اور غیروں کی چیزوں کو قبول کرتے اور ان کے منفی رسوم وروایات اور عادات واطوار سے ہرگز متاثر نہ ہوتے۔

فاضل مصنف نے غیر جانب داری سے سلاطینِ ہند کی دینی ومذہبی مساعی کا جائزہ لیا ہے اور علمی وتحقیقی اسلوب میں مبالغہ آرائی سے گریز کرتے ہوئے مستند حوالوں سے اپنی بات کو مستحکم کیا ہے۔ آج جب کہ ہندوستان میں تاریخ کو مسخ کرنے کی کوششیں کی جارہی ہیں، تاریخ ہند کا منصفانہ مطالعہ بالخصوص سلاطینِ ہند کے ادوار اور ان کے اقدامات کا منصفانہ اور غیر جانب دارانہ مطالعہ بہت ضروری ہے۔ امید ہے کہ علمی حلقوں میں اس علمی کاوش کا خیر مقدم کیا جائے گا۔